مولانا محمد طاسین

مضاربت کی حقیقت اور شرعی حیثیت

قسط (۳)

مضاربت اور آثارِ صحابہؓ اب میں ان آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف آتا ہوں جو جوازِ مضاربت کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں، امام مالکؒ نے مؤطا میں دو آثار ذکر کئے ہیں۔ ایک حضرت عمر فاروقؓ اور ان کے دو صاحبزادوں حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ سے متعلق ہے اور دوسرا حضرت عثمان غنیؓ سے متعلق، پہلے کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن مالک بن انس عن زید بن اسلم عن ابیہ انہ قال خرج عبداللہ وعبیداللہ ابنا عمر بن الخطاب فی جیش الی العراق، فلما قفلا مرّا علی ابی موسی الاشعری فرحب بھما وسھّل وھو امیر البصرۃ فقال لو اقدر لکما علی امر انفعکما بہ لفعلت، ثم قال بلی ھٰھنا مال من مال اللہ ارید ان ابعث بہ الی امیر المؤمنین، فاسلفکماہ فتبتاعان بہ متاعاً من متاع العراق فتبیعانہ بالمدینۃ فتؤدیان رأس المال الی امیر المؤمنین ویکون لکما الربح فقالا وددنا، ففعلا، فکتب الی عمر یاخذ منھما المال، فلما قدما المدینۃ باعا وربحا، فلما رفعا الی عمر قال اکل الجیش اسلفہ کما اسلفکما؟ قالا: لا، قال عمر ابنا امیر المؤمنین فاسلفکما ادّیا المال وربحہ، فاما عبداللہ فسکت، واما عبیداللہ فقال لا ینبغی لک یا امیر المؤمنین ھذا، لو ھلک المال او نقص لضمناہ، قال ادّیاہ فسکت عبداللہ وراجعہ عبیداللہ، فقال رجل من جلساء عمرؓ یا امیر المؤمنین لو جعلتہ

قراضًا فقال قد جعلته قراضا، فاخذ عمر المال ونصف ربحه واخذ عبد الله وعبيد الله نصف ربح المال (ص ۱۸۵)

ترجمہ: امام مالک نے زید بن اسلم سے، اس نے اپنے باپ اسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے عبد اللہ اور عبید اللہ ایک لشکر میں عراق گئے، واپسی پر بصرہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ملاقات ہوئی جو اس وقت بصرہ کے امیر تھے۔ انہوں نے ان کا خیر مقدم کیا اور اھلاً وسھلاً کہا اور فرمایا اگر میرے بس میں کوئی ایسا کام کرنا ہوتا جس سے آپ کو نفع پہنچتا تو ضرور کرتا، پھر فرمایا ہاں یاد آیا۔ میرے پاس بیت المال کی کچھ رقم ہے جو میں امیر المؤمنین کے پاس مدینہ بھیجنا چاہتا ہوں، آپ پسند کریں تو وہ رقم میں آپ کو بطور قرض دے دوں، آپ اس کے عوض یہاں عراق سے کوئی مال خرید کر لے جائیں اور مدینہ میں فروخت کر دیں، نفع خود لے لیں اور اصل رقم امیر المؤمنین کی خدمت میں پیش کر دیں۔ انہوں نے جواب دیا ہاں یہ تجویز ہمیں پسند ہے۔ معاملہ ہو گیا۔ انہوں نے اس رقم سے مال خریدا اور مدینہ منورہ پہنچ کر نفع سے بیچا، جب اصل رقم پیش کرنے کے لئے اپنے والد امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوری بات سنائی تو وہ ناراض ہوئے اور غصے سے پوچھا کہ امیر بصرہ نے جس طرح تمہیں قرض دیا اس طرح لشکر کے دوسرے سپاہیوں کو بھی دیا؟ انہوں نے جواب دیا، نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس لئے کہ تم امیر المؤمنین کے بیٹے تھے، میرا حکم ہے کہ اصل مال اور جو نفع ہوا ہے سب بیت المال کے حوالے کر دو۔ اس پر حضرت عبد اللہ تو خاموش رہے لیکن حضرت عبید اللہ نے عرض کیا امیر المؤمنین ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر یہ مال پورا یا اس کا کچھ حصہ تلف ہو جاتا تو ہم اس کے ضامن ہوتے۔ لہٰذا اس کا نفع ہمیں ملنا چاہیئے، پھر حضرت عمر فاروقؓ نے دوبارہ فرمایا، ان باتوں کو چھوڑو اور پورا مال بمعہ نفع ادا کرو۔ اس مرتبہ بھی حضرت عبد اللہؓ کچھ نہ بولے اور حضرت عبید اللہ نے وہی پہلے الفاظ دہرائے۔ اس وقت پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے کہا امیر المؤمنین اس معاملے کو قراض بنا دیجئے تو آپ نے فرمایا۔ چلو میں نے قراض بنا دیا، اور اصل مال بمعہ نصف نفع کے لے لیا اور نصف نفع صاحبزادوں کے پاس رہنے دیا۔

اس اثر کے متعلق علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اس میں جس معاملے کا ذکر ہے وہ کسی طرح

بھی مضاربت کا معاملہ نہیں کیونکہ اس میں صاف طور پر یہ بیان ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادوں کو جو رقم دی وہ بطور قرض تھی جبکہ مضاربت کی رقم عامل کے ہاتھ میں بطور امانت ہوتی ہے، اسی طرح اس میں تصریح ہے کہ اگر مال پورا یا اس کا کچھ حصہ ہلاک اور تلف ہو جاتا تو اس کے ضامن وہ دونوں بھائی ہوتے حالانکہ مضاربت میں مال تلف ہونے کی صورت میں کام کرنے والا فریق ضامن وذمہ دار نہیں ہوتا، اور پھر مضاربت میں یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ معاملے کی ابتدا ہی میں یہ متعین ہو کہ فریقین کے مابین نفع کس تناسب سے تقسیم ہوگا جبکہ اس معاملے میں سرے سے ایسی کوئی چیز نہیں۔ مثلاً شارح مؤطا علامہ زرقانی نے اس اثر کی شرح میں لکھا ہے:

کانہ جعل کذٰلک قطعاً للنزاع اذ لیس من القراض فی شئی۔ گویا حضرت عمرؓ نے ایسا نزاع کو ختم کرنے کے لئے کیا کیونکہ اس روائت میں جس معاملے کا ذکر ہے اس کا قراض سے کچھ تعلق نہیں۔ ص ۴۷۴۔ ج ۳

علامہ ابن عبدالبر نے بھی الاستذکار شرح المؤطا میں بھی ایسی ہی بات لکھی ہے جس کو علامہ ابن ترکمانی نے الجواہر النقی میں نقل کیا ہے۔ جو السنن الکبریٰ کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔

علامہ طحاوی نے اپنی کتاب اختلاف الفقہاء میں اس روائت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے "یحتمل ان یکون عمر شاطرھما کما شاطر عمالہ اموالھم" احتمال ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں سے جو نصف منافع لیا، یہ ویسا ہی ہو جیسا آپ نے اپنے عمال سے ان کے مال کا نصف لے کر بیت المال میں داخل کیا، جو ان کو لوگوں نے بطور ہدیہ دیا تھا۔ مطلب یہ کہ واقعہ مذکور میں منافع کی نصف نصف تقسیم مضاربت کے طور پر نہ تھی۔

امام بیہقی نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں اثر مذکور بیان کیا اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ یہ معاملہ امام المزنی کے نزدیک مضاربت کا معاملہ نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے حضرت عمرؓ کے اپنے بیٹوں سے نصف منافع لینے کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے باپ کی حیثیت سے اپنے بیٹوں سے یہ کہا کہ پورا منافع بیت المال کو دے دو۔ جب وہ خوشی کے ساتھ اس پر آمادہ نہ ہوئے تو پھر فرمایا آدھا دے دو۔ چنانچہ انہوں نے والد کی خوشی کے لئے آدھا دے دیا۔ وہ عربی عبارت یہ ہے:

تأول المزنی هذہ القصة بانه سألهما البرة الواجب علیهما ان یجعلاہ کله للمسلمین فلم یجیباہ فلما طلب النصف اجاباہ عن طیب انفسهما (ص ۱۱۳ ـ ج ۶ ـ السنن الکبریٰ)

ترجمہ: امام مُزنی نے اس قصے کی یہ تأویل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹوں سے یہ جو فرمایا کہ پورا نفع مسلمانوں کے بیت المال میں دے دو تو آپ کا یہ فرمانا اس بڑے احسان کی وجہ سے تھا جو بیٹوں پر باپ کے لئے واجب ہوتا ہے جب انہوں نے اس کو قبول نہ کیا تو پھر آپ نے نصف دینے کا فرمایا۔ اس پر وہ خوشی سے تیار ہو گئے ۔ اور بطیب خاطر دے دیا۔

امام مزنی کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادوں سے جو نصف نفع لیا اس کی حیثیت اس حق کی نہیں تھی جو مضاربت میں رب المال کے لئے واجب ہوتا ہے بلکہ اس حق کی سی تھی جو فرمانبردار بیٹوں پر باپ کے لئے ہوتا ہے۔

لہذا یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب روایت مذکور میں بیان شدہ معاملہ مضاربت وقراض کا معاملہ نہ تھا تو امام مالک وغیرہ نے اس کو کتاب القراض میں کیوں نقل کیا ہے!

اس کا جواب علامہ زرقانی نے شرح المؤطا میں یہ دیا ہے۔

وانما ساق مالک هذا الحدیث اعلامًا بان القراض کان معمولا به من عهد عمر، وقیل هو اول قراض فی الاسلام، وقیل اوله ان عمر اخرج من السوق من لا یعلم البیع، وان فیهم لیعقوب مولی الحرقة فاعطاہ عثمان مالا واجلسه فی السوق، فان کان محفوظاً فمعناہ ان عثمان کان یعلمه ویراعی احواله، ولا ینبغی ان یظن بعثمان فی نضله ودینه الا ذٰلک ـ ص ۳۴۶ ج ۳ ـ

ترجمہ: امام مالک نے یہ حدیث باب القراض میں اس لئے ذکر کی ہے کہ اس کے آخری الفاظ " لو جعلته قراضا فقال قد جعلته قراضاً " اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قراض پر عمل ہوتا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسلام میں قراض کا پہلا معاملہ یہی ہے جو اس روایت میں بیان ہوا ہے، اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اسلام میں قراض کا پہلا معاملہ وہ ہے جو حضرت عمرؓ کے

عہدِ خلافت میں حضرت عثمان اور یعقوب مولی الحرقہ کے درمیان وقوع پذیر ہوا' وہ اس طرح کہ حضرت عمر کے حکم سے ایسے لوگوں کو بازار سے نکال دیا گیا جو بیع و شراء کے شرعی احکام نہیں جانتے تھے' ان میں ایک یعقوب مولی الحرقہ بھی تھا پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے مال دیا اور بازار میں بٹھایا' پس اگر یہ بات محفوظ اور صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ کہ حضرت عثمان اسے بیع سے متعلق شرعی احکام کی تعلیم دیتے اور اس کے احوال کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتے تھے۔ حضرت عثمان کے فضل و ورع اور ان کی سخاوت کے وغیرہ کے پیشِ نظر یہی مطلب لینا چاہیئے کیونکہ یہی ان کے شایان شان ہے۔ یہ گمان کرنا مناسب نہیں کہ آپ اس سے نفع کا ایک حصّہ لیتے تھے۔

علاّمہ زرقانی کی اس عبارت میں کئی چیزیں قابلِ غور اور لائقِ توجّہ ہیں' اس میں لفظ قِیْلَ سے جو دو قول نقل کیئے گئے ہیں اس کے نزدیک کمزور اور ضعیف سہی لیکن بہر حال علماء ہی کے قول ہیں جس نے جو بات کہی ہے ضرور کسی دلیل ہی کی بنیاد پر کہی ہوگی' اگر علامہ زرقانی یہ بھی بیان فرما دیتے کہ مذکورہ دو قول کن حضرات کے اور کن دلائل کی بناء پر ہیں تو حقیقتِ حال کو سمجھنے میں زیادہ مدد ملتی۔ لیکن چونکہ ان کے نزدیک نہ وہ معاملہ مضاربت و قراض کا معاملہ ہے جو حضرت عمر فاروق اور ان کے صاحبزادوں کے درمیان وقوع پذیر ہوا اور نہ وہ معاملہ قراض و مضاربت کا معاملہ ہے جو حضرت عثمانؓ غنی اور یعقوب مولی الحرقہ کے مابین ظہور پذیر ہوا۔ لہٰذا وہ اس بحث میں ہی نہیں پڑے کہ ان میں سے کونسا معاملہ' اسلام میں قراض و مضاربت کا پہلا معاملہ ہے۔

عبارتِ مذکورہ کے بعد علاّمہ زرقانی نے ابوعبدالملک کا یہ قول نقل کیا ہے:

ولا اصل للقراض فی کتاب اللّٰہ ولا سنّۃ اِلّا انہ کان فی الجاھلیہ فاقرفی الاسلام واجمع علی جوازہ بالدنانیر والدراھم

قالہ ابوعبدالملک۔ ص ۳۴۶۔ ج ۳۔

ترجمہ: اور کوئی اصل اور دلیل قراض و مضاربت کے لئے نہ کتاب اللّٰہ میں موجود ہے اور نہ سنّتِ رسول میں۔ اگر کوئی دلیل ہے تو صرف یہ کہ یہ معاملہ دورِ جاہلیت میں رائج تھا اور اسلام میں اس کو برقرار رکھا گیا اور دراہم و دنانیر کے ساتھ اس کے جواز پر اتفاق و اجماع ہو گیا۔

علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی کا ابوعبدالملک کے اس قول کو نقل کر کے اس پر خاموش رہنا اور اس کے خلاف کچھ نہ لکھنا، اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ قول صحیح ہے یعنی یہ کہ کتاب وسنّت میں قراض ومضاربت کے متعلق کوئی دلیل نہیں، نیز ان کی تشریح سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روائت مذکور میں جس معاملے کا ذکر ہے وہ قراض ومضاربت کا معاملہ نہیں لہٰذا اس معاملے کی وجہ سے یہ روائت جوازِ قراض کی دلیل نہیں بن سکتی اور اس کو مضاربت کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں۔

امام مالکؒ نے مؤطا میں قراض سے متعلق جو دوسرا اثر بیان کیا ہے وہ یہ ہے:

مالك عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابيه عن جده ان عثمان بن عفان اعطاه مالا قراضا يعمل فيه على ان الربح بينهما۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے علاءؒ بن عبدالرحمٰن سے، اس نے اپنے باپ عبدالرحمٰن سے اس نے علاء کے دادا یعنی عبدالرحمٰن کے باپ یعقوب مولیٰ الحرقہ سے روائت کیا کہ اس کو یعنی یعقوب مولیٰ الحرقہ کو حضرت عثمان بن عفان نے قراض پر مال دیا کہ تم اس میں کام کرو۔ اور نفع ہم دونوں میں تقسیم ہوگا۔

یہی روائت السنن الکبریٰ میں امام بیہقی نے ان الفاظ سے بیان کی ہے:۔

عن يعقوب انه قال: جئت عثمان بن عفان فقلت له قد قدمت سلعة فهل لك ان تعطيني مالا اشترى بذلك فقال أتراك فاعلا! قلت نعم ولكني رجل مكاتب فاشتريها على ان الربح بيني وبينك قال نعم، فاعطاني مالا على ذلك ص ١١١، ٦٧۔

یعقوب مولیٰ الحرقہ نے روائت کرتے ہوئے کہا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ باہر سے کوئی تجارتی مال وسامان آیا ہے، کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ مجھے مال دیں اور میں وہ سامان خریدوں، آپ نے فرمایا کیا تم اس کیلئے آمادہ ہو۔ میں نے کہا ہاں لیکن میں ایک مکاتب شخص ہوں مجھے بھی بدل کتابت ادا کرنے کے لئے مال کی ضرورت ہے۔ میں اس سامان کو خریدتا ہوں اس شرط پر کہ نفع میرے اور آپ کے مابین تقسیم ہو، فرمایا ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ نے مجھے اس معاہدے پر مال دیا۔

پھر یہی روایت امام محمد الشیبانی نے اپنے مؤطا میں" باب الشرکة فی البیع " کے تحت قدرے تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرمائی ہے:۔

اخبرنا مالک، اخبرنا العلاء بن عبد الرحمٰن بن یعقوب ان اباه اخبره قال اخبرنی ابی قال کنت ابیع البز فی زمان عمرؓ بن الخطاب، و ان عمر قال لا یبیعه فی سوقنا اعجمی فانهم لم یفقهوا فی الدین ولم یقیموا فی المیزان والمکیال قال یعقوب فذهبت الی عثمان بن عفان فقلت له هل لک فی غنیمة باردة ؟ قال ما هی؟ قلت بزّ قد علمت مکانه یبیعه صاحبه برخص لا یستطیع بیعه، اشتریه لک ثم ابیعه لک قال نعم، فذهبت وصفقت بالبز، ثم جئت به فطرحت فی دار عثمانؓ، فلما رجع عثمانؓ فرأی الحکوم فی داره، قال ما هذا؟ قالوا بز جاءَ به یعقوب، قال ادعوه لی، فجئت فقال ما هذا! قلت هذا الذی قلت لک، قال نظرته ؟ قلت کفیتک ولکن رآبه حرس عمرؓ قال نعم فذهب عثمانؓ الی حرس عمرؓ فقال ان یعقوب یبیع بزّی فلا تمنعوه قالوا نعم فجئت بالبز السوق فلم البث حتی جعلت ثمنه فی مزود، وذهبت الی عثمان وبالذی اشتریت البز منه فقلت عدّ الذی لک فاعتدّه و بقی مال کثیر، قال قلت لعثمان هذا لک أمالی لم اطلع به احداً، قال جزاک الله خیرًا وفرح بذلک، قال فقلت آمالی قد علمت مکان بیعها مثلها او افضل، قال وعائد انت ؟ قال قلت نعم ان شئت قال قد شئت قال فقلت فانی باغ خیرا فاشرکنی قال نعم بینی وبینک۔ ص ٣٤٧ ۔ ٣٤٨ المؤطا للامام محمد

ترجمہ: ہم سے امام مالک نے، ان سے علاء نے، ان سے ان کے باپ عبدالرحمٰن نے اور ان سے ان کے باپ یعقوب نے بیان کیا کہ میں عہدِ فاروقی میں کپڑے بیچا کرتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمان جاری کیا کہ ہمارے بازار میں کوئی عجمی دکانداری نہ کرے کیونکہ وہ دین کی سمجھ نہیں رکھتے اور ناپ تول میں گڑبڑ کرتے ہیں، لہٰذا عجمی ہونے

کی وجہ سے مجھے بھی بازار سے نکال دیا گیا، میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کو مفت کا فائدہ منظور ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کپڑا ہے جس کی جگہ مجھے معلوم ہے۔ اس کا مالک اس کو سستا بیچنا چاہتا ہے کیونکہ عجمی ہونے کی وجہ سے وہ اسے بازار میں نہیں بیچ سکتا۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس کو آپ کے لئے خرید لوں اور آپ ہی کے لئے فروخت کر دوں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، چنانچہ میں اس شخص کے پاس گیا اور کپڑا ادھار پر خرید لیا۔ اور لاکر حضرت عثمان کے گھر میں ڈال دیا، حضرت عثمان جب باہر سے گھر تشریف لائے تو کپڑے کی گٹھڑیاں گھر میں دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہے؟ گھر والوں نے بتلایا کپڑا ہے جسے یعقوب لایا ہے۔ فرمایا اسے میرے پاس بلاؤ، وہ آیا تو آپ نے پوچھا یہ کیسا کپڑا ہے؟ میں نے کہا وہی جس کا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا۔ فرمایا کہ تم نے اس کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا ہے؟ میں نے کہا کہ آپ کچھ فکر نہ فرمائیے۔ میں نے آپ کی طرف سے سب کچھ کر لیا ہے، البتہ اس کو بیچنے کی راہ میں جو رکاوٹ ہے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کے چوکیدار مجھے یہ بازار میں بیچنے نہیں دیتے اسلئے کہ میں عجمی ہوں۔ آپ ان سے فرمادیں تو نہیں روکیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ چوکیداروں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یعقوب میرے کپڑے بیچتا اور میرا آدمی ہے اس کو بازار میں بیٹھنے سے نہ روکیں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا، پھر میں کپڑا لے کر بازار میں گیا اور زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ سب فروخت ہو گیا، میں نے رقم تھیلی میں ڈالی اور اس شخص کو ساتھ لے کر جس سے کپڑا ادھار لیا تھا حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا۔ پہلے اس شخص سے کہا کہ اس رقم میں اتنی رقم اپنے لئے گن لو جو طے ہوئی ہے۔ اس نے گن کر لے لی اور کافی رقم تھیلی میں باقی رہ گئی۔ میں نے حضرت عثمان سے عرض کیا کہ یہ رقم آپ کی ہے۔ اور آپ آگاہ رہیں کہ میں نے کسی سے یہ ناحق اور ظلم کے طور پر نہیں لی، انہوں نے آگے سے فرمایا جزاک اللہ خیراً اور خوشی کا اظہار کیا، پھر میں نے عرض کیا آپ آگاہ رہیں کہ ایسی ہی بلکہ اس سے بہتر ایک اور جگہ بھی میرے علم میں ہے جہاں سے مال خرید کر کافی نفع کمایا جا سکتا ہے۔ تو اس پر حضرت عثمانؓ غنی نے فرمایا کیا تم دوبارہ کام کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ہاں اگر آپ چاہیں تو۔ جواب دیا منظور ہے۔ پھر میں نے عرض کیا

کریں بھلائی چاہیئے اور نفع کمانے والا آدمی ہوں آپ مجھے اپنے ساتھ نفع میں شریک کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا، نفع میرے اور آپ کے درمیان تقسیم ہوگا۔

اس روایت سے متعلق جو بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ امام محمد شیبانی نے اسے قراض و مضاربت کے عنوان کے تحت نہیں بلکہ شرکۃ فی البیع کے زیر عنوان بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ کہ امام محمد کے نزدیک وہ معاملہ جو حضرت عثمان غنی اور حضرت یعقوب مولیٰ الحرقہ کے مابین طے پایا قراض و مضاربت کا معاملہ نہ تھا بلکہ شرکت کا معاملہ تھا، اسی طرح اعلاء السنن جلد ۱۴ میں بھی اس روایت اور اثر کو شرکت کے باب میں بیان کیا گیا ہے مضاربت و قراض کے باب میں بیان نہیں کیا گیا گویا کہ اس کا تعلق شرکت سے ہے مضاربت سے نہیں۔

قراض و مضاربت کے باب میں ایک اثر حضرت حکیم بن حزام کا بھی پیش کیا جاتا ہے۔ جو سنن الدار قطنی اور سنن الکبریٰ للبیہقی میں ہے۔ امام بیہقی نے اسے اس طرح بیان کیا ہے۔

عن حکیم بن حزام انہ کان یدفع المال مقارضۃً الی الرجل و یشترط علیہ ان لا یمر بہ بطن واد، ولا یبتاع بہ حیوانا ولا یحملہ فی بحر فان فعل شیئا من ذلک فقد ضمن ذلک المال قال فاذا تعدیٰ امرہ ضمنہ من فعل ذلک۔

ص ۱۱۱ - ج ۶ - السنن الکبریٰ

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام جب کسی شخص کو مضاربت پر مال دیتے تو یہ شرط لگاتے کہ وہ کسی ایسی نشیبی وادی میں سے بھی نہیں گزرے گا جس میں سیلاب آنے کا اندیشہ ہو۔ اور کوئی جانور بھی نہیں خریدے گا اور دریا کا سفر بھی نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ اس مال کا ضامن ہوگا، چنانچہ جب کوئی اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا تو وہ نقصان کا ضامن ٹھرایا جاتا۔

اور دار قطنی کے الفاظ یہ ہیں:-

ان حکیم بن حزام صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یشترط علی الرجل اذا اعطاہ مالا مقارضۃً یضرب لہ بہ ان

لا تجعل مالی فی کبد رطبة ولا تحمله فی بحر ولا تنزل به فی بطن مَسیل فان فعلت شیئا من ذٰلک فقد ضمنت مالی۔

(ص ۳۱۵ ۔ سنن الدارقطنی)

ترجمہ: عروہ بن زبیر نے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکیم بن حزام کے متعلق روایت کیا کہ وہ جب کسی شخص کو مال مضاربت پہ دیتے تو بطور شرط اس کے لئے بیان کرتے کہ وہ اس مال سے جانوروں کی خرید و فروخت بھی نہیں کرے گا، اس کے ساتھ دریائی سفر بھی نہیں کرے گا، ایسی وادی میں بھی نہیں ٹھہرے گا جس میں سیلاب آتا ہو، اگر اس نے ایسا کیا تو نقصان کا وہ خود ضامن و ذمہ دار ہوگا۔

یہ روایت ایک سند کے لحاظ سے ضعیف ہے جس میں ابن لھیعہ نامی ایک راوی ہے کیونکہ ابن لھیعہ کی شخصیت علماء جرح و تعدیل کے حلقے میں خاصی متنازعہ فیہ ہے۔ اگرچہ اس کی توثیق کرتے تو بیشتر تضعیف بھی کرتے ہیں، علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں عبد اللہ بن لھیعہ کے تذکرہ میں وہ سب اقوال یکجا جمع کر دیئے ہیں، غرضیکہ جن محدثین حضرات کی نظر میں ابن لھیعہ ناقابل اعتبار ہے ان کے نزدیک روائت مذکور ضعیف اور جن کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتبار ہے ان کے نزدیک روائت قوی ہے، البتہ دوسری سند کی رو سے بالاتفاق قوی ہے جس میں ابن لھیعہ کی جگہ حیوۃ بن شُریح ہے جو بالاتفاق ثقہ راوی ہے۔

قراض و مضاربت کے ثبوت میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بھی ایک اثر پیش کیا جاتا ہے۔ جو امام بیہقی نے سنن الکبریٰ میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه انه سأله عن الرجل یعطی المال قراضا فیشترط له، قال لا بأس به۔ ص ۱۱۱، ج۔ ۶۔ السنن الکبریٰ

ترجمہ: ابو الزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کیا کہ اس نے ان سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو دوسرے کو مال مضاربت پہ دیتا اور اپنے فائدہ کے لئے شرطیں لگاتا ہے۔ فرمایا: کچھ حرج نہیں۔

چونکہ اس روائت کی ایک ہی سند ہے جس میں مذکورہ بالا راوی ابن لھیعہ موجود ہیں لہٰذا محدثین کے نزدیک یہ روائت کمزور اور ضعیف ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ـــ

تلخیص الجبیر میں اس کے ذکر کے بعد فرمایا ہے: " وفی اسنادہ ابن لھیعہ " اس کی اسناد میں ابن لھیعہ ہے۔ ص ۵۸ ۔ ج ۳

قراض و مضاربت کے جواز کے ثبوت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ایک قول پیش کیا جاتا ہے۔ جو مصنف عبد الرزاق میں اس طرح ہے۔

عن الشعبی عن علی رضی اللہ عنہ فی المضاربۃ الوضیعۃ علی المال والربح علی ما اصطلحوا علیہ ص ۲۴۸ ۔ ج ۸

ترجمہ: شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ مضاربت میں نقصان ہو تو مال پر پڑتا ہے اور نفع ہو تو اس تناسب سے تقسیم ہوتا ہے جو ان کے مابین طے پایا تھا۔

اس روایت میں جو بات بیان فرمائی گئی ہے وہ مضاربت کی حقیقت اور تعریف سے متعلق ہے۔ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں بھی مضاربت کی یہی حقیقت عرف عام میں معروف اور جانی پہچانی تھی کہ اس میں نقصان مال والے کو برداشت کرنا پڑتا اور نفع دونوں کے مابین طے شدہ نسبتی حصّہ سے بٹتا تھا۔ اسلام نے اس معاملہ کو اس کی سابقہ جانی پہچانی حقیقت پر برقرار رکھا۔ البتہ کچھ قیود کا ضرور اضافہ کیا ہے۔ جن کی تفصیل فقہ اسلامی میں درج ہے۔

مضاربت کے متعلق ایک اثر حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بھی پیش کیا جاتا ہے۔ جسے امام شافعیؒ نے کتاب اختلاف العراقیین میں اس سند سے بیان کیا ہے۔

عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن ابن مسعود انہ اعطٰی زید بن خلیدۃ مالا قراضا۔ ص ۵۸ ۔ ج ۳ ۔ تلخیص الجبیر۔ ص ۱۱۵ ۔ ج ۴ نصب الرایہ ۔ ص ۲۲۵ ۔ ج ۵ ۔ نیل الاوطار

حضرت امام ابو حنیفہ نے حماد سے اس نے ابراہیم سے اس نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے روایت کیا کہ انہوں نے زید بن خلیدہ کو مال قراض پر دیا۔

کتب حدیث میں متعدد ایسی روایات مذکور ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے زیر تولیت یتیموں کا مال دوسروں کو مضاربت پر دیا: مثلاً امام بیہقی کی کتاب کتاب المعرفۃ کے حوالے سے امام جمال الدین الزیلعی نے نصب الرایہ میں اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک اثر بیان کیا ہے جو اس طرح ہے۔

عن حُميد بن عبد اللہ بن عبید الانصاری عن ابیہ عن جدہ ان عمر بن الخطاب اعطاہ مال یتیم مضاربۃ وکان یحمل بہ بالعراق ۔ ص ۱۱۵ ۔ ج ۴ نصب الرایہ ۔ ص ۲۲۶ ۔ ج ۵ نیل الاوطار

ترجمہ : حُمید نے اپنے باپ عبد اللہ سے اور عبد اللہ نے اپنے باپ عبید انصاری سے روایت کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اس کو یتیم کا مال مضاربت پہ دیا اور وہ اس کے ساتھ عراق میں کام یعنی تجارت کرتا تھا ۔

السنن الکبریٰ میں دوسری روایت ان الفاظ سے ہے :

حدثنی الحکم بن ابی العاص قال قال لی عمر بن الخطاب ھل قبلکم متجر وان عندی مال الیتیم قد کادت الزکاۃ ان تأتی علیہ قال قلت نعم، قال فدفع الیّ عشرۃ آلاف فغبت عنہ ماشاء اللہ ثم رجعت الیہ فقال لی مافعل المال ؟ قال قلت ھو ذا بلغ مائۃ الف ۔ قال رد علینا مالنا ، لاحاجۃ لنا بہ ص ۳ ۔ ج ۔ ۶

ترجمہ : مجھ سے حکم بن العاص نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہاری طرف تجارت کا کوئی موقعہ ہے ۔ میرے پاس یتیم کا مال ہے خیال ہے کہ کہیں زکوٰۃ اسے ختم نہ کر دے ، میں نے جواب میں عرض کیا ہاں موقع ہے ۔ چنانچہ آپ نے مجھے دس ہزار دے دیئے میں لے کر کافی عرصہ غائب رہا ، پھر جب ان کی طرف لوٹا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ اس مال کا کیا ہوا ؟ میں نے عرض کیا وہ یہ ہے ۔ ایک لاکھ کو پہنچ گیا ہے ۔ تو اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا ۔ ہمارا اصل مال ہمیں واپس دے دو ۔ ہمیں اس سے زائد کی کچھ حاجت نہیں ۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یتیم کا مال مضاربت پہ دینے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو رائے تھی وہ بعد میں کسی وجہ سے بدل گئی ، سنن الکبریٰ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ایک روایت ہے کہ وہ یتیم کا مال مضاربت پہ دیتے تھے ۔

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کان یکون عندہ مال الیتیم فیزکیہ ویعطیہ مضاربۃ ویستقرض منہ ص ۱۱۱ ۔ ج ۶

ترجمہ : حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس یتیم کا مال ہوتا تو وہ اس کی زکوٰۃ بھی نکالتے ، اسے

مضاربت پر بھی دیتے اور اس سے قرض بھی لیتے۔
مبسوط السرخسی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ایک روایت ہے کہ وہ یتیم کا مال مضاربت پر دیتے تھے، روائت کے الفاظ یوں ہیں:

عن علی رضی اللّٰہ عنہ انہ کان یعطی مال الیتیم مضاربۃ ویقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رفع القلم عن ثلاثۃ عن الغلام حتی یحتلم، وعن المجنون حتی یصح وعن النائم حتی یستیقظ۔

ص ۲۰، ج ۲۲

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ یتیم کا مال مضاربت پہ دیتے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخصوں کا گناہ نہیں لکھا جاتا نابالغ بچے کا یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، مجنون کا یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو جائے اور سوئے ہوئے کا یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔"

کتاب مذکور میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کے متعلق بھی روائت ہے کہ انہوں نے اپنے یتیم بھتیجوں کا مال مضاربت پہ دیا، الفاظ یہ ہیں:

عن القاسم بن محمد قال کان لنا مال فی ید عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا وکانت تدفعہ مضاربۃ فبارک اللّٰہ لنا فیہ لسعیہا۔ ص ۱۸،

حضرت قاسم بن محمد نے روائت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا کچھ مال ہماری پھوپھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا اور وہ اسے مضاربت پہ دیتی تھیں۔ چنانچہ ان کی کوشش سے اللہ نے اس میں ہمارے لئے برکت فرمائی۔

سنن الکبرٰی میں اس روائت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن القاسم بن محمد قال کانت عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا تزکی اموالنا وانہا لتتجر بہا فی البحرین۔ ص ۳ - ج ۶

ترجمہ ہے: حضرت قاسم بن محمد نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے مالوں کی زکوٰۃ نکالتی تھیں اور اس کے ساتھ بحرین میں تجارت کرتی تھیں۔

اس روائت میں الفاظ میں مضاربت کا ذکر نہیں لیکن چونکہ وہ خود تجارت کا کام نہیں کرتی تھیں لہٰذا احتمال ہو سکتا ہے کہ دوسروں سے مضاربت پہ کام کراتی ہوں ـــ

بہرحال کچھ روایات ایسی ضرور ملتی ہیں جن میں بعض صحابۂ کرام کے مال یتیم کو مضاربت پر دینے کا ذکر ہے جو ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے پیش نظر ہو جو جامع ترمذی اور سنن دارقطنی وغیرہ میں بایں الفاظ ہے:

"عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس وقال: اَلَا مَنْ ولی مال یتیم فلیتجر لہ فیہ ولا یترکہ فتاکلہ الزکوٰۃ"

راوی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ میں فرمایا آگاہ رہو جو یتیم کے مال کا والی و نگران ہو اسے چاہیئے کہ یتیم کے فائدے کے لئے اس کے مال کو تجارت میں لگائے اور یونہی نہ چھوڑ دے کہ اس کو زکوٰۃ ہی کھا جائے۔

اور طبرانی میں وہ حدیث یوں ہے:

"عن انسؓ بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتجروا فی اموال الیتامیٰ لا تاکلھا الزکوٰۃ"

حضرت انسؓ بن مالک نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یتیموں کے مال کو تجارت میں لگاؤ تاکہ اس کو زکوٰۃ ہی نہ کھا جائے۔

السنن الکبریٰ میں حضرت سعید بن المسیّب اور حضرت عبدالرحمٰن بن السائب سے مروی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر اس طرح ہے۔

قال ابتغوا باموال الیتامیٰ لا تاکلھا الصدقۃ۔ فرمایا یتیموں کے اموال کے ساتھ تجارت کرو کہیں ان کو صدقہ ہی ختم نہ کر دے یعنی تجارت کے ذریعے ان کو بڑھاؤ تاکہ زکوٰۃ نکلتے رہنے کی وجہ سے ان میں کمی واقع نہ ہو۔

قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا مذکورہ بالا حدیث نبوی کے پیش نظر فرمایا، نیز انہوں نے یتیم کا مال کسی کو مضاربت پر دیا تو وہ بھی اسی حدیثِ نبوی کے پیشِ نظر دیا تاکہ یتیم کو فائدہ پہنچے جو خود کمانے کے قابل نہیں ہوتا اور بڑوں کی اعانت و دستگیری کا محتاج ہوتا ہے۔ اور جس پر احسان کرنے اور جس کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آنے کی قرآن و حدیث میں تعلیم اور ترغیب ہے، قرآن مجید میں کتنی ایسی آیات ہیں جن میں یتیموں کی ہمدردی و خیرخواہی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم ہے، اسی طرح احادیث

نبویہ کی بھی بڑی تعداد ہے جن کے اندر مسلمانوں کو ترغیب کے مختلف اسلوبوں سے اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے ۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کی دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح ایک دوسرے کے قریب اور ساتھ ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں ۔

یہاں یہ عرض کر دینا مناسب و مفید ہوگا کہ جن احادیث و آثار میں یتیم کے مال پر وجوبِ زکوٰۃ کا ذکر ہے علمائے احناف ان کو ضعیف اور ناقابلِ استدلال کہتے ہیں اور بعض دوسری احادیث کی بنا پر مالِ یتیم کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ٹھہراتے ہیں ۔ لہٰذا مذکورہ آثار جن میں وجوبِ زکوٰۃ کے ساتھ یتیم کے مال کو مضاربت پر دینے کا ذکر ہے حنفی علماء کے نزدیک ناقابلِ استدلال ہیں ۔ البتہ دوسرے علماء ان روایات کو صحیح اور قابلِ استدلال مانتے ہیں اور ان کی وجہ سے مالِ یتیم پر زکوٰۃ کے قائل ہیں ، بہرحال ان روایات کو صحیح مان لینے کی صورت میں ان سے جو ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ مالِ یتیم پر زکوٰۃ بھی ہے اور والیٔ یتیم ، یتیم کے مال کے ساتھ خود بھی تجارت کر سکتا ہے اور کسی کو مضاربت پر بھی دے سکتا ہے ۔ جبکہ مقصود یتیم کی خیرخواہی اور نفع رسانی ہو ۔ اور پھر چونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ یتیم کے مال کو مضاربت پر دینے اور اس کے ساتھ خود تجارت کرنے کا مذکورہ روایات سے جو جواز ظاہر ہوتا ہے اس کا سبب یتیم کی مخصوص حالت ہو یعنی نادانی و ناتوانی کی وجہ سے اس کا بے بس و محتاج ہونا ، لہٰذا ان روایات سے ان لوگوں کے لئے مضاربت کا جواز بلا کراہیت ثابت نہیں کیا جا سکتا جو یتیموں کی طرح بے بس و ناتواں نہیں اور خود کام محنت کر کے کما کھا سکتے ہیں ، بالفاظِ دیگر مطلب یہ کہ جو چیز یتیموں کے لئے ان کی مخصوص حالت کی بنا پر جائز ہو اسے غیر یتیموں کے لئے جائز ثابت نہیں کیا جا سکتا ۔ اور یہ کہ اگر مضاربت ہر ایک کے لئے یکساں طور پر بلا کراہت جائز ہوتی تو صحابۂ کرام کے درمیان اس کا عام رواج ہونا چاہئے تھا ۔ حالانکہ حدیث کے دفاتر میں بمشکل دو تین مثالیں ملتی ہیں جو پیچھے نقل کی گئیں غور و فکر سے اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ صحابۂ کرام کے سامنے ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات تھے جن میں اپنے ہاتھ سے محنت و مشقت کر کے کمانے کھانے کی بڑی فضیلت اور اس پر بڑے اجر و ثواب کی بشارت تھی اور دوسری طرف وہ احادیث نبویہ تھیں جن میں یہ ہدایت تھی کہ تمہارے پاس ضرورت سے زائد مال ہو تو دوسرے ضرورت مند کو پہلے تو یونہی مفت صدقہ و ہبہ کے طور

(بقیہ صـ۵۲ پر)